فروانہ حمید

کہانی

''باجی! آپ کہانیاں کیسے لکھ لیتی ہیں؟''

''کہانیاں؟ بس اللہ توفیق دیتا ہے تو لکھ لیتی ہوں ورنہ ہم کیا۔ ہمارا قلم کیا۔ اور ہمارے خیالات کیا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

''ہاں آپ سچ کہتی ہیں۔ یہ سب اللہ ہی کے احسانات ہیں جو وہ اپنے بندوں پر ہمہ وقت کرتا رہتا ہے۔'' اس نے ایک جذبے سے کہا اور سر جھکا لیا۔

میں نے اس کی دلی کیفیت بھانپتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیا کوئی خاص بات یاد آ گئی ہے زویا.....؟''

''آپ نے کیسے جان لیا؟'' وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''اصل میں آپ جو قلم چلانے والے ہیں نا، دل کی باتوں کا بھی پتہ چلا لیتے ہیں شاید۔''

''بھئی دل کی باتیں تو خیر جانے دو۔ فی الحال تو مجھے ایک نئی کہانی کا کچھ کچھ پتا چل رہا ہے۔ ہے نا یہ بات؟'' میں نے اس کی خوب صورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''بات تو سچ ہے، پر بات ہے رسوائی کی۔'' زویا نے ہنستے ہوئے فوراً اقرار کر لیا۔

''اچھا..... تو شعری ذوق بھی ہے۔ خوب..... بہت خوب!''

''باجی! ماسٹرز تو اسلامیات کے مضمون میں کیا تھا مگر شعر و شاعری سے بھی پرانا لگاؤ ہے۔ مگر عامیانہ شعر کبھی نہیں پڑھے۔''

''ہاں بھئی! اچھی بات ہے۔ اچھا پڑھو، اچھا لکھو، اچھا بولو اور اچھا ملو۔''

''باجی! آپ نے اچھا کھاؤ اور اچھا پہنو نہیں کہا۔''

''ارے بھئی! یہ میرا شعبہ نہیں اگرچہ آج کل انہی دو باتوں پہ زور ہے۔ دیکھتی نہیں ہو نت نئے لباس کی خریداری اور کھانے پینے کی موج بہاری، یہی کچھ تو رہ گیا ہے گویا۔''

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو کٹ گئے بازار میں دو چھکے، بگھار میں

ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد محض پیٹ کی آسائشیں اور جسم کی آرائش تو نہیں۔'' میں نے دکھ سے کہا۔

''ہاں باجی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ یہ آرائش و زیبائش نہ جانے کس کس کے آشیانے کو جلانے کے درپے رہتی ہے۔ یا تو یہ سب کچھ پردے میں کریں نا خواتین، مگر پردے میں رہنا ہو تو پھر یہ بنیں سنوریں ہی کیوں؟''

''چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ بات تو کسی کہانی کی ہو رہی تھی۔'' میں نے دل چسپی سے پوچھا۔

''یہ ساری باتیں اس کہانی کی تمہید ہی تو ہیں باجی!'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اصل کہانی کب شروع کرو گی.....؟''

''بتاتی ہوں باجی! بتاتی ہوں۔ آپ کو جلدی کیا ہے۔ ہمارے بھائی جان تو دورے پہ فیصل آباد گئے ہوئے ہیں۔ ہے نا؟ اور میرے میاں بھی آج شہر سے باہر گئے ہیں۔ لہٰذا یہ محفل تو لمبی چلے گی۔''

''ہاں بھئی سچ کہتی ہو زویا! گھر والے گھر نہیں

www.zemtime.com

اور ہمیں کسی کا ڈر نہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے ایک پنجابی محاورے کو اردو کا جامہ پہنایا۔

''ڈر تو ہاجی رب سچے کا ہونا چاہیے، یہ شوہر حضرات تو اطاعت اور محبت کے قابل ہوتے ہیں۔ ہاں کوئی جاہل، اکھڑ اور اجڈ پلے پڑ جائے کسی کے۔'' زویا نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ جیسے کہانی شروع کرنے کے لیے موزوں الفاظ کی تلاش میں ہو۔ پھر گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

''میری اور شہزاد کی شادی جب ہوئی تو کیا اپنے، کیا بیگانے سب حیران تھے کہ چند روز میں ہی اتنی باہمی مناسبت، اتنی یگانگت۔ اصل میں یہ سارا دین کا کمال تھا۔ میں نے اسلامیات پڑھ رکھی تھی اور وہ بھی ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا حق اور فرض پہچانتے تھے۔ پہلے دن جب میں ان کے گھر کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہوئی تھی تو میں نے ایک عہد کیا تھا کہ اپنے اس رفیق حیات سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ جھوٹ ویسے بھی ہمارے گھر میں ناپسندیدہ رہا تھا۔ ادھر شہزاد صاحب بھی بڑے اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ نہایت محنتی، بہت دیانت دار..... مہمان نوازی اور بذلہ سنجی ان پر سوار تھی۔ وجاہت اور شرافت کا نمونہ تھے۔ ہر ایک کے حقوق کا یکساں خیال رکھنے والے۔''

یوں شادی کے بعد بھی ان سے کسی کو کم ہی گلہ شکوہ رہا۔ نہ ماں کی خدمت میں فرق آنے دیتے، نہ بیوی کے حقوق پامال کرتے۔ اپنے والد صاحب کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔ میرا رویہ بھی سسرال والوں

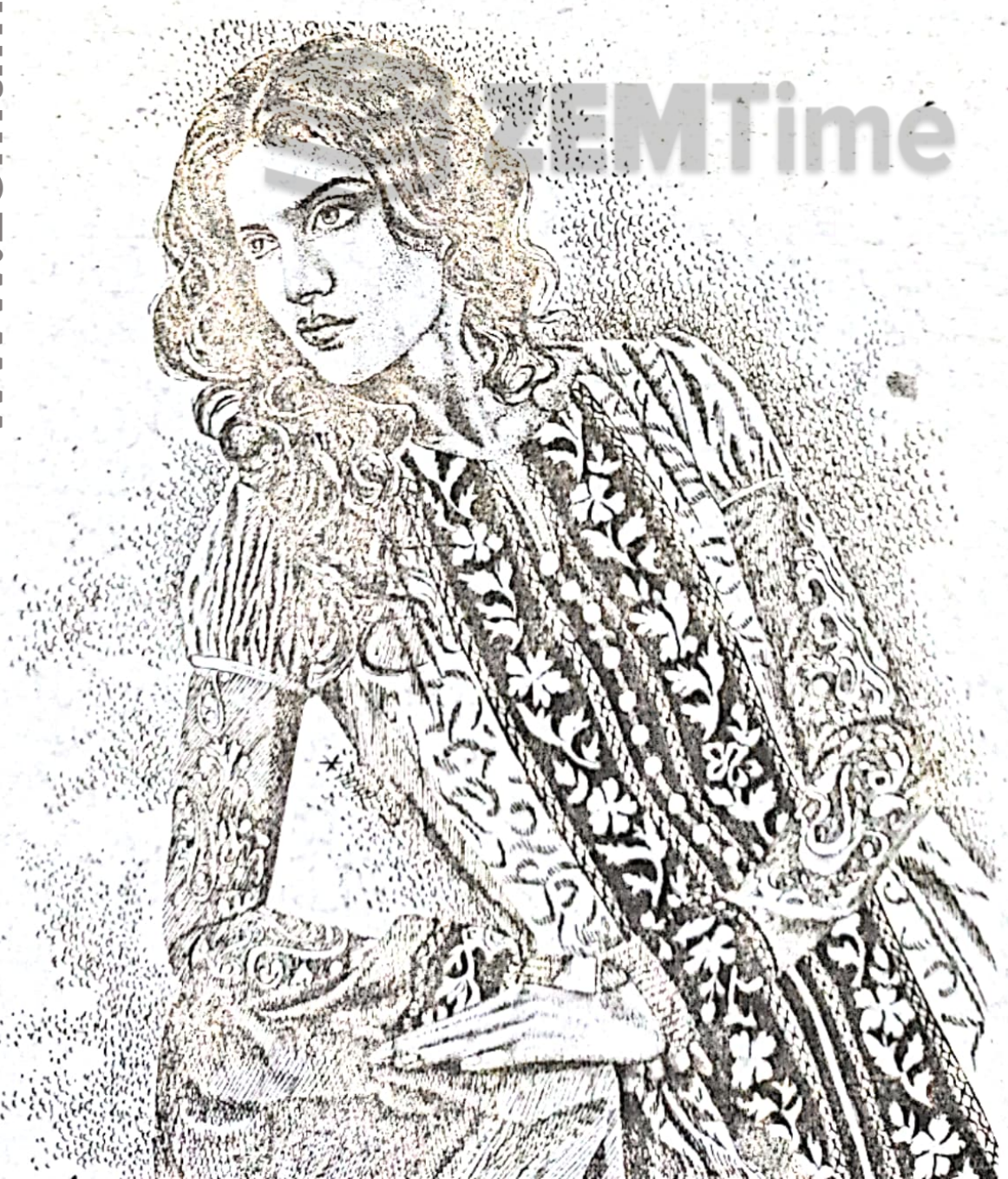

www.zemtime.com

سے مثالی ہی کہہ لیں۔ جو بھی گاؤں سے ہمارے گھر آتا خواہ ساس، سسر یا نندیں ہوتیں یا پھر جیٹھ جیٹھانی۔ کسی کی بھی خاطر تواضع میں فرق نہ کرتی۔ سب سسرالی عزیز میری بہت عزت کرتے اور شہزاد صاحب تو گویا فدا تھے۔ برملا میری تعریف وتوصیف کرتے۔ ہر کام میں مشورہ کرتے اور ہر بات، دفتر کی یا دوستوں کی مجھے ضرور بتاتے۔ مجھے اکثر کہتے۔ ''زویا! تم تو ضیا ہو۔ تمہارے آنے سے سب در و بام، روشن ہو گئے ہیں۔ میرے گھر کے۔''

یوں زندگی بڑی سبک رفتاری سے گزر رہی تھی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور ایک دوسرے کی رفاقت میں کئی برس بیت گئے۔ ہم لوگ چار پیارے پیارے بچوں کے والدین بن گئے۔ شہزاد کی ترقی بھی ساتھ ہوتی رہی اور پھر وہ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ یوں ان کی دفتری مصروفیات میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کا دفتر چونکہ مرد و خواتین دونوں کے معاملات سے متعلق تھا۔ اس لیے روزانہ مجھے کوئی نہ کوئی بات بتاتے کہ آج فلاں عورت ایسے بیہودہ لباس میں آئی تھی۔ فلاں مرد نے آ کر اس طرح اپنا کیس پیش کیا۔ یوں معاشرتی برائیوں اور خرابیوں کو بھی زیر بحث لاتے۔

شہزاد کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ مرد از خود عورت کی طرف پہل نہیں کرتا، بلکہ عورت اسے اشارے کنائے میں بتاتی ہے۔ اسے لبھاتی ہے تو پھر وہ قدم بڑھاتا ہے اس کی طرف۔ ایک دن دفتر سے آئے تو ایک خاتون کی بابت بتانے لگے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور مقامی کالج میں لیکچرار ہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ پھر دوسرے روز دفتر سے لوٹے تو اس کے لباس کی تراش خراش کی بہت تعریف کی۔ برا تو مجھے لگا، مگر میں پی گئی۔ پھر یوں ہوا کہ ہر روز دفتر سے واپسی پر اسی کی باتیں ہونے لگیں۔

''خیر تو ہے شہزاد صاحب! کہیں آپ لٹو تو نہیں ہو گئے اس دیدہ زیب لباس والی کی زیب و زینت پر؟'' ایک دن میں نے کہہ ہی دیا۔

''ہاں یار! اس کی آنکھیں بلا کی ہیں۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے نہ جانے اعتراف کیا یا مذاق۔ میں کچھ سمجھ نہ سکی۔ البتہ میری الجھن کچھ اور بڑھ گئی۔ شہزاد کے ساتھ اپنا گزشتہ سفر حیات سوچتی تو یقین نہ آتا کہ وہ کسی اور کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور اگر ان فیشن زدہ، بیہودہ اور بے باک عورتوں کا سوچتی تو وہ چڑیلیں سی لگتیں جو شریف مردوں کے سامنے خوشبو میں بسی — اپنی مسکراہٹوں اور قہقہوں سے ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی تدبیر کرتی رہتیں۔ پھر ایک دن شہزاد نے یہ کہہ کر ایک دھماکا سا کر دیا!

''زویا! میں اعتراف کرتا ہوں کہ وہ دن بدن میرے دل میں جگہ بنا رہی ہے۔ میں نے تم سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ یہ بات بھی چھپانا نہیں چاہتا۔''

میرا دل ایک لمحے کے لیے بیٹھ سا گیا مگر میں نے کمال ضبط سے کام لے کر بات ہنسی میں اڑا دی۔

''کتنی جگہ لے رہی ہے شہزاد.....؟ مرلہ، دو مرلے یا کنال دو کنال؟''

''دل مرلوں، کنالوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔ جو بس گیا سو بس گیا۔'' وہ تولیہ لے کر غسل خانے میں چلے گئے۔ جہاں سے ان کی گنگناہٹ باہر صاف سنائی دے رہی تھی۔

''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟''

میں تیزی سے بچوں کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بے خبر گہری نیند کے مزے لے رہے تھے۔ میرے چھوٹے سے آشیانے کو کس کی نظر کھا گئی؟ یا حی یا قیوم! میرے شہزاد کو ان بری عورتوں سے بچا لے۔ میں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے اس قادر مطلق کے آگے گڑگڑائی۔ رب تعالیٰ کے سپرد اپنا معاملہ کر کے میں کافی آسودہ ہو گئی۔ پھر اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے لگی۔ اچانک ایک خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔

رات عشا پڑھ کر جب میں بستر پر گئی تو شہزاد جاگ رہے تھے۔ کروٹیں بدلنے سے ان کی بے چینی

www.zemtime.com

ظاہر ہو رہی تھی۔ میری موجودگی کو محسوس کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''شہزاد! نیند نہیں آ رہی تو چائے بنا لاؤں یا پھر سر میں بادام روغن کی مالش کر دوں؟'' انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

''زویا! تم کتنی عظیم ہو۔ کوئی دوسری عورت ہوتی تو چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ رو رو کر اپنی ماں کو فون کرتی یا پھر خود سے ہی بچوں کو ساتھ لے کر میکہ روانہ ہو جاتی۔ مگر تم..... تم نہ صرف صابر و شاکر ہو، بلکہ میری خدمت پہ اسی طرح تیار۔ حیرت ہے۔''

''حیرت کی کیا بات ہے شہزاد! آپ میرے رفیق حیات ہیں۔ آپ کی خدمت میرا فرض ہے۔ رہ گئی آپ کی یہ نئی دل لگی..... وارفتگی تو اس پہ میرا دل ٹوٹ تو گیا ہے۔ بہت بے عزتی کا احساس ہوا ہے مجھے کہ میں اتنے سال آپ کے ساتھ رہ کر بھی آخر ہار گئی ہوں۔ آپ کے دل سے اتر گئی ہوں اور وہ..... وہ سج سنور بن کر آپ کے دفتر میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے لگاتے آپ کے دل میں سما گئی ہے۔ ہے نا یہی بات؟'' زویا نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بات مکمل کر لی۔

''میں کیا کروں زویا! بہت سمجھاتا ہوں دل کو..... مگر کامیابی نہیں ہو رہی۔ میرا یہ قصور نا قابل معافی ہے شاید کہ میں تمہیں ہر بات بتا دیتا ہوں۔'' شہزاد نے تاسف سے ہونٹ کاٹے۔

''ارے نہیں شہزاد صاحب! آپ جسے قصور کہہ رہے ہیں یہ تو بس یہی بات اچھی ہے میرے ہرجائی کی۔'' زویا نے قہقہے میں اپنا درد اڑانا چاہا پھر سنجیدگی سے بولی۔

''شہزاد صاحب! جو ہوا سو ہوا، آپ کا دل اس فریبی عورت نے اپنے قابو میں کر ہی لیا ہے تو پھر میری ایک درخواست ہے۔ یوں روز روز کے آنکھ، کان، دل وغیرہ کے گناہوں میں مبتلا ہونے کے بجائے آپ اس کے ساتھ نکاح کر لیں، مگر خدارا اس طرح نہ کریں۔'' زویا یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی شہزاد کو حیران پریشان چھوڑ کر۔ جہاں اس کے سلجھے ہوئے پیارے پیارے بچے گہری نیند سو رہے تھے۔ اس نے باری باری سب کی پیشانی چومی اور سسکتے ہوئے بولی۔ ''تمہارے لیے، پیارے ابو کا پیار تقسیم ہونے کا وقت آ رہا ہے شاید۔''

کئی دن تک گھر کی فضا بڑی بوجھل سی رہی۔ زویا نے خدمت میں کمی نہ آنے دی۔ بچوں کو باپ کی اس تبدیلی کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا۔ بظاہر سب ٹھیک تھا، مگر اندر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ انہی اداس اداس سے دنوں میں شہزاد سوچ سوچ کر بخار کی لپیٹ میں آ گیا۔ سرخ آنکھوں کے ساتھ جب وہ موبائل پہ دھیرے دھیرے لمبی باتیں کرتا تو زویا کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی کہ یہ فون اسی چڑیل عورت کا ہے، جس نے اس کے پرسکون آشیانے کو بکھیرنے کا شاید تہیہ کر لیا ہے۔ وہ جان بوجھ کر منظر سے ہٹ جاتی۔ شاید وہ شہزاد کو اپنے سامنے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ آرام سکون سے باتیں کر لیں۔

پھر زویا نے ایک عجیب فیصلہ کیا شہزاد سے کہنے لگی۔ ''اس خاتون کو بیمار کی عیادت کرنے کا خیال نہیں آیا؟ اسے بلا لیجیے نا۔ آپ کے بخار کی..... دکھ درد کی دوا شاید اسی کے پاس ہے۔''

''اسے گھر بلا لوں..... اتنا حوصلہ ہے تم میں زویا! میں نے تمہارے بارے میں ہر بات اسے بتائی ہے۔ یہ بھی کہ تم دوسری عورتوں سے بہت مختلف ہو۔ تمہیں مجھ سے سچی محبت ہے اور یہ..... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہ بھی میرے حواسوں پہ قبضہ کیے بیٹھی ہے۔'' شہزاد نے سادگی سے بتایا۔

''حوصلے کی کیا بات ہے شہزاد! آپ شاید مجھے سمجھ ہی نہیں پائے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بعد باقی تمام تعلقات ہیچ ہیں۔ البتہ ہم نے اپنی طرف سے ان تعلقات کو نبھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میرا تو وہ حال ہے بقول شاعر.....

www.zemtime.com

عزم رکھے تو فیصلوں کے سروں پر رکھے
زخم رکھا تو سمندر سے بھی گہرا رکھا

آپ اسے بلائیے تو میں بھی دیکھوں اس پری جمال کو۔" میں نے ہنستے ہوئے بات ختم کی۔

"تم کتنی عظیم ہو زویا! میں اسے فون کر کے ڈرائیور بھیج دیتا ہوں۔" شہزاد نے بستر سے یوں چھلانگ لگائی جیسے کبھی بیمار ہی نہ تھے۔ "واہ مرے عشق تیری کرامتیں" میں بوجھل دل کے ساتھ باورچی خانے میں چل دی۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ شہزاد تیار ہو کر گاڑی کی چابی پکڑے کھڑے تھے۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"وہ دراصل اکیلے آنے سے گھبرا رہی ہے۔" انہوں نے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نظریں چرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے ماشاء اللہ کافی شرم وحیا والی لگ رہی ہے۔ رہتی کہاں ہے یہ ذات شریف.....؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سوال پوچھ ہی لیا جو کب سے میرے اندر موجود تھا۔

"ایک مقامی ہوسٹل میں، شادی کے چند سال بعد میاں سے علیحدگی ہوگئی تھی۔ اب بوڑھی ماں کے ساتھ ایک پرائیویٹ ہوسٹل میں مقیم ہے۔"

شہزاد گاڑی نکال کر چلے گئے۔ میں وہیں سوچوں میں گھری کھڑی رہی۔ چولہے پر رکھی فرنی جل چکی تھی۔ ابھی بچوں کے آنے میں دیر تھی۔ میں نے جلدی سے اس کی چائے کا انتظام کیا۔ پھر کپڑے بدلنے چل دی۔ دل عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اس طرح کی مہمان سے ملاقات کرنا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اندر ہی کہیں دھکیل دیا اور ایک عزم سے اس سے ملنے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔

ہارن بجا ملازم نے گیٹ کھول دیا۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا تراشیدہ بالوں والی کوئی تیس پینتیس سالہ عورت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ شہزاد کا اصرار اور اس کا اترنے سے انکار یا ہچکچاہٹ صاف عیاں تھی۔ میں نے گیٹ پر جا کر دونوں کا استقبال کیا۔ وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھی، جبکہ شہزاد خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ شکل وصورت سے کہیں زیادہ اس کی ادائیں دلفریب تھیں۔

میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے اسے ٹھنڈا پیش کیا۔ گلاس پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھ کی لرزش کو میں محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی..... میں چائے لینے کے بہانے اٹھ گئی۔ اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا۔ باورچی خانہ سامنے ہی تھا۔ ان کی باتوں کی آواز صاف آ رہی تھی۔

"شہزاد! آپ کی بیگم تو بہت خوب صورت ہے اور اخلاق کتنا اچھا ہے۔"

"میں بتایا تو کرتا ہوں اس کی باتیں۔" شہزاد اس سے زیادہ نہ کہہ سکے، یا میں نہ سن سکی۔

چائے کے بعد کچھ دیر بیٹھی۔ زیادہ بات چیت میں نے کی ـــ جانے لگی تو میں اپنی الماری سے ایک خوب صورت سا سوٹ اٹھا لائی، جو میں نے پچھلے ہفتے ہی اپنے لیے خریدا تھا۔

"یہ آپ کا تحفہ....." وہ ہکا بکا میری طرف دیکھتی رہ گئی۔

"آپ پہلی بار میرے پاس آئی ہیں نا۔ خالی ہاتھ کیسے جانے دوں.....؟" حالانکہ میں جانتی تھی وہ خالی ہاتھ کب ہے، وہ تو مجھے تہی دامن کر کے جا رہی تھی۔

"لے لو..... لے لو ہماری بیگم کے حوصلے بہت بلند ہیں۔" شہزاد نے بے تکلفی سے پیکٹ اسے پکڑایا اور اسے چھوڑنے چل دیئے۔

چند دن اسی طرح گزر گئے۔ شہزاد دفتر جانے لگے، اداس اداس سے دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ ایک دن دس گیارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ نمبر کچھ نامانوس سا تھا۔ اٹھایا تو دوسری طرف وہی خاتون تھی۔

"مسز شہزاد! آپ مجھے بہت اچھی لگیں۔

www.zemtime.com

اور آپ کا تحفہ تو اتنا خوب صورت ہے کہ میں نے فوراً درزی کو سلائی کرنے کے لیے دے دیا ہے اور بہت خوب صورت ۔ ساڈیزائن اسے بتایا۔" وہ اپنی رو میں بولتی چلی گئی۔ "آپ کچھ بول نہیں رہیں مسز شہزاد.....؟"

"میں آپ کی باتیں سن رہی ہوں اور ساتھ سوچ بھی رہی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہیں؟ ذرا مجھے بھی تو بتایئے۔"

"میں سوچ رہی ہوں خاتون محترم! کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دے کر معاشرے کے امن و سکون کا کیسا پیارا انتظام کیا ہے۔ یہ آپ کے بہترین ڈیزائن کے سوٹ، یہ بالوں کے اسٹائل، یہ خوشبو میں بسا ہوا آپ جیسی خواتین کا سراپا شریف مردوں کے دل و دماغ پر کیسی بجلیاں گراتا ہے کہ جس کی رو میں آ کر ان کا پرسکون آشیانہ ڈولنے لگتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں امر بالعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنا چاہا۔

دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ کچھ لمحے اسی طرح چپ چاپ گزر گئے پھر اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

اگلے چند دن مجھے منصوبہ سازی کرتے گزر گئے۔ میں نے شہزاد کو صاف کہہ دیا کہ آپ اسے نکاح کر کے لے آئیں مگر الگ گھر میں قیام کریں گے۔ میں اپنے بچوں پر کوئی ایسے اثرات نہیں ڈالنا چاہتی جس سے ان کی شخصیت متاثر ہو۔ آپ کا دل چاہے تو آ جایا کیجیے گا کبھی کبھی، انصاف کرنا چاہیں تو آپ کے لیے بہتر ہے، نہ بھی کرنا چاہیں تو آپ کی گورا گردن ہو گی مجھے کیا لینا دینا۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ نہ شہزاد نے اس کا تذکرہ کیا اور نہ میں نے پوچھا۔ ایک دن ایک رجسٹرڈ خط آیا شہزاد کے نام۔ انہوں نے کھولا تو پڑھتے ہوئے حیرت زدہ سے تھے۔ پھر میری طرف خط اچھال کر بولے۔

"لو یہ پڑھ لو۔ تمہاری حکمت عملی کامیاب رہی ہے۔ تم نے اپنا شہزاد اور اپنا گھر بچا لیا ہے۔" میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے خط پر نظریں دوڑانے لگی۔ لکھا تھا۔

"شہزاد! تمہاری بیوی ایک نیک دل اور صابر و شاکر عورت ہے۔ اس کے حسن سلوک نے میرا دل جیت لیا ہے۔ اور سوٹ کا تحفہ دے کر تو اس نے میرے دل میں اپنی محبت کے چراغ روشن کر دیے ہیں۔ میں ایسی عورت پر سوکن بن کر نہیں آ سکتی۔

تم بہت اچھے ہو شہزاد! اپنے گھر، بچوں اور بیوی سے محبت کرنے والے..... تم نے ہر ملاقات میں اپنی بیوی کی تعریف کی ہے۔ یہ تو میں تھی جو تمہیں اپنے جال میں پھانس رہی تھی۔ اللہ مجھے معاف کر دے۔ میں اپنی ماں کو لے کر عمرہ کرنے جا رہی ہوں۔ مجھے ملنے اور تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا، ویسے تو میں ہی تمہارے آفس آیا کرتی تھی اور فون بھی میں ہی کرتی تھی۔ تم نے مجھے کیا ڈھونڈنا اور کیا فون کرنا ہے۔ اپنی بیگم کو میرا بہت سلام کہنا۔ ہو سکے تو وہ مجھے معاف کر دے۔ میں نے اس کا دل بہت دکھایا ہے۔" فقط توبیہ

خط پڑھ کر میں نے ایک گہرا سانس لیا پھر دوسرے کمرے میں جا کر شکرانے کے نوافل ادا کرنے لگی۔ اس دن جمعہ تھا۔ سورۃ کہف تو میں نے نمازِ فجر کے بعد ہی پڑھ لی تھی۔ نفل ادا کر کے پھر قرآن مجید، فرقان حمید اٹھایا اسے سینے سے لگایا اور خود کلامی کرنے لگی۔

اے اللہ! تو بھی سچا، تیرا کلام بھی سچا۔ کیسے حیات بخش پیغام اس میں پنہاں ہیں۔ تو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ تو بے نواؤں کی سننے والا ہے۔ قرآن حکیم نازل نہ کرتا تو ہم زندگی کیسے گزارتے؟ میں نے سسکتے ہوئے قرآن ذی شان کو محبت سے بوسہ دیا اور الماری میں رکھ دیا۔

زویا کی آنکھیں ایک جذب سے اب بھی بند تھیں اور میں اپنے رب کی شان کو ہر آتی جاتی سانس میں محسوس کر کے اس کا شکر ادا کر رہی تھی۔

☆

www.zemtime.com